مولانا یحییٰ نعمانی *

تحدید نسل (خاندانی منصوبہ بندی) کا فلسفہ

اسلامی نقطہ نظر سے تحدید نسل کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ حقائق و واقعات کی روشنی میں پورے فلسفہ کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ یہ غلط فہمیوں اور سماجی و معاشرتی حقائق سے ناواقفیت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ مگر ان دنوں یہ تجربہ ہوا کہ پروپیگنڈے کے سامنے سچ بات میں طاقت کے ساتھ کثرت بھی ہونی چاہیے۔ اپنے لوگوں میں سے بہت سے لوگ متذبذب اور تردد کا شکار نظر آئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کی جائے۔

تحدید نسل کا فلسفہ:

تحدید نسل Birth Controle جس کو اب بدل کر خاندانی منصوبہ بندی کا غلط نام دیا گیا۔ اس کا ایک پورا فلسفہ ہے۔ جس کا بھرپور پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسا مسلمہ مسئلہ گیا ہے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔

وسائل زندگی کی قلت کا خطرہ:

سب سے زیادہ زور دے کر جو دلیل ان حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں سکونت کی جگہ محدود ہے۔ اگر آبادی تیزی کے ساتھ بڑھتی رہے گی تو بہت جلد وہ دن آجائے گا جب زمین بھر جائے گی' یا دنیا کی غذائی اور دیگر پیداوار انسانوں کی ضرورتوں سے کم رہ جائے گی۔ اور اس طرح آئندہ نسلوں کی زندگی کا معیار گرتا چلا جائے گا' اور وہ مناسب وسائل زندگی نہ پاسکیں گے' اور بڑی تنگی و غربت اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والے مسائل مثلاً لوٹ مار سے دوچار ہوں گے۔

یہی بات دائرہ کو سکیڑ کر ملکوں اور قوموں کے بارے میں کہی جاتی ہے' کہ اگر ملکوں کی اور خصوصاً تیسری دنیا کے گھنی آبادی والے ممالک کی آبادی یونہی بڑھتی رہی تو یہ ''ابل پڑیں'' گے' شدید غذائی کمی کے شکار ہوں گے' اپنی

---

* ایڈیٹر ماہنامہ ''الفرقان'' ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ' انڈیا

آبادی کو اچھی غذا' مناسب سہولیات زندگی اور اعلیٰ تعلیم نہیں دے سکیں گے۔

اس دلیل کا نتیجہ ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ساری انسانیت کے مفاد میں یہ بات ضروری ہے کہ آبادی کو فوراً بڑھنے سے روکا جائے یا کم سے کم بڑھنے دیا جائے' بلکہ ان کی تعلیم وتلقین تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کو موجودہ مقدار سے کم کیا جائے۔

اگر قرآنی زبان میں بات کی جائے تو اس فلسفہ کو ''جاہلیت'' کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دنیا کو یہ اپنی عقل اور اپنی طاقت سے چلا رہے ہیں' لہٰذا پیدائش اور رزق کے معاملات بھی انہی کو انجام دینے ہیں اور خود ہی اس کا انتظام کرنا ہے۔ اس دنیا کا کوئی خدا ہے اور نہ کوئی چلانے والا۔ اور اگر کوئی ہے بھی تو نہ اس کے پاس عقل ہے اور نہ حساب لگانے کے لئے (Culculater) کلکولیٹر۔ اور یہ ذرا سا وجود رکھنے والے حضرات انسان ایسی عقل ودانائی کے مالک ہیں کہ اب انہوں نے کائنات کی منصوبہ بندی بھی اپنے ذمہ لے لی ہے۔

کاش ان کو خبر ہوتی جس ذات عالی نے یہ دنیا بنائی اور انسان کو اس کا بادشاہ بنایا وہ ایک سراپا علم وحکمت اور لامحدود قدرت وطاقت رہنے والی ذات ہے' وہ انسان کو اگر پیدا کر رہا ہے تو اس کو رزق بھی دے گا' اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے کبھی رزق میں کمی نہیں کی' ہمیشہ آبادی کے اضافے کے ساتھ وہ وسائل بھی بڑھاتا چلا گیا۔

جس خدا نے کائنات کا ایسا دقیق' پراسرار اور پرازحکمت نظام بنایا کہ جس میں نقطہ رکھنے کی گنجائش نہیں وہ انسانوں کو پیدا تو کر سکتا ہے مگر رزق نہیں دے سکتا؟ جس نے اس زمین میں انسانوں کے رزق کے لئے کیسے زبردست انتظامات کئے ہیں' سورج' چاند' ہوائیں' زمین کی مٹی' کیڑے مکوڑے اور نہ جانے کیا کیا سرگرم عمل ہوتے ہیں تو گیہوں کا ایک دانہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ خدا وسائل میں اضافہ کرنے پر قادر نہیں؟ اس کائنات کے لامحدود نظاموں کو دیکھئے وہ کس حکمت سے ان کو چلا رہا ہے' پھر یہ رزق میں ہی وہ کیوں اضافہ نہیں کر سکتا۔ صرف نوع انسان کی بنیادی ضرورت پانی کے نظام ہی کو دیکھ لیجئے۔ اس نے اس کی سپلائی' ڈرینج اور صفائی (ریفائنری) کا کیسا نظام بنایا ہے۔ زمین میں سمندر کی شکل میں پانی کے لامتناہی خزانے رکھ دیئے۔ پھر اس کو سڑنے سے بچانے کے لئے نمک اور کشش کی طاقت سے اس میں حرکت وتموج رکھا۔ یہ قانون بنایا کہ پانی حرارت سے بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان بخارات کا وزن ہوا سے کم رکھا۔ پھر کم وزن کی چیزوں کے اوپر جانے اور بھاری چیزوں کے نیچے آنے کا قانون بنایا۔ اب اس نے ایک اور قانون بنایا کہ سورج کی شعاعیں جس چیز کے بیچ (Medium) سے گذریں اس کو گرم نہ کریں۔ اس طرح اوپر کی ہوا ٹھنڈی رہی نیچے کی ہوا زمین کی گرمی سے گرم ہوگئی۔ اب جب یہ بخارات اوپر کی سرد ہوا میں پہنچے تو ایک اور قانون حرکت میں آیا۔ بخارات سردی پا کر جم کر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ قانون بنایا کہ سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف ہوائیں چلیں۔ اس طرح گرم علاقوں میں سمندر سے بادل اٹھ اٹھ کر پہنچیں۔

اب جب بارش ہوتو اس نے زمین کو حکم دیا کہ وہ جذب کر کے اپنے خزانے بھی اُگلے اور اپنے پیٹ میں پانی اسٹور کر لے تا کہ جب انسان چاہے پاؤں کے نیچے سے کھود کر پانی نکال لے۔ موسم میں ضروری بارش کے بعد وہ بادل پہاڑوں کی چوٹیوں پر گئے اور وہاں اربوں گیلن پانی برف کی شکل میں اسٹور ہو گیا۔ جو دھیرے دھیرے پگھلے گا اور دریاؤں کے راستہ پوری دنیا کو لگا تار سیراب کرتا رہے گا۔ دریاؤں کے ذریعہ سپلائی کا یہ سسٹم سال بھر کام کرتا رہے گا۔ اور یہی انسانوں کے ذریعہ پیدا کی گئی گندگی کو بھی سمندر میں لے جائے گا۔

ایسی زبردست قدرت والا اللہ پیدا تو کر دے گا مگر رزق اس کے بس کا نہیں؟ کیسا ظلم ہے؟ کیسی جہالت ہے؟

وہ ہر چیز کو اپنے تناسب سے پیدا کرتا ہے اور کرے گا' اور مختلف ذرائع سے وہ دنیا میں آبادی اور رزق کا تناسب برقرار رکھتا ہے۔ یہ اس کا اصول ہے کہ (عام طور پر) وہ ہر چیز ضرورت کے مطابق ہی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ جس قدر وہ پیدا کرے گا ان کا وہ رزق بھی اتارے گا۔

اگر انسانوں کی تعداد بڑھتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق اتنے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر وہ اپنی قدرت کا کنٹرول باقی نہ رکھے تو اس کی کچھ مخلوقات ایسی ہیں کہ ان سے ہی زمین بھر چکی ہوتی۔ حیوانات کے ماہرین بتلاتے ہیں کہ مچھلی کی ایک قسم (Star Fish) ایک مرتبہ میں ۲۰ کروڑ سے زائد انڈے دیتی ہے۔ اگر اللہ اس کی آبادی کو کنٹرول نہ کرے تو شاید چند سال میں نوع انسان کو زمین سے ہجرت کرنی پڑے۔

اس مسئلہ کو اپنے سامنے کی چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں' کیا یہ ایک کھلی حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے ملک کی آبادی میں اضافے کے ساتھ پیداوار اور وسائل معیشت میں کافی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ آزادی کے ۱۳ سال کے بعد ۶۰ء میں جب کہ آزاد ہندوستان کو اپنی معیشت کو بہتر کرنے کے لئے کافی کچھ موقعہ مل چکا تھا اس وقت کے معاشی حالات کا (جو بہت سوں نے دیکھے اور بہت سوں نے سنے ہیں) آج کے حالات سے مقابلہ کیجئے اور فرق ملاحظہ کیجئے۔ اقوام متحدہ کے غذائی پروگرام کی کمیٹی کی طرف سے ہر سال ایک عالمی رپورٹ شائع ہوتی ہے۔ میں نے اس کی ۱۹۹۷ء کی رپورٹ دیکھی ہے۔ اس میں پورا انڈکس دیا گیا ہے کہ کس طرح پوری دنیا کی پیداوار میں آبادی کے مقابلہ میں زیادہ تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ زیادہ دور مت جایئے اب سے ۲۴ سال پہلے ۸۰ء میں ہندوستان میں عام طور پر ایک کھیت میں جتنا غلہ پیدا ہوتا تھا' نئی ٹیکنیک اور ایجادات کی بدولت اب اس سے ۴ گنے سے بھی زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ آبادی اس سے کافی کم بڑھی ہے۔

ہمارے بچپن میں انار لکھنو میں امین آباد کے چوراہے پر ایک دو دوکانوں پر ہی ملتا تھا۔ شاید چوک اور حضرت گنج میں بھی دیدار ہو جاتے ہوں' اب ہر گلی کوچے میں بے عزت ہو رہا ہے۔ وہ مالک رزاق عالم ہے۔ ضرورت کے اعتبار سے اپنے علم کے مطابق پیدا فرماتا ہے۔

اس زمین میں رزق کے اللہ نے کس قدر خزانے رکھ دیئے ہیں اور اس میں اضافے کے کیا کیا امکانات ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے (اور یہ یقیناً پورا اندازہ نہیں ہوگا) کہ اقوام متحدہ کی ۱۹۹۷ء کی غذائی صورت حال کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے مقابلہ ہالینڈ میں گندم فی ایکڑ پانچ گنا اور چاول ۴ گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے اور یہ صرف اعلیٰ انتظامات اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

کس طرح ان بے خبروں کو بتلایا جائے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے لئے اصل مسئلہ پیداوار کی کمی کا نہیں زیادتی ہے، ہر سال امریکہ اپنے فاضل آلوؤں اور غلہ کو دریا برد یا نذر آتش کرنے پر کروڑوں ڈالر خرچ کرتا ہے۔ اکثر ملکوں میں بے شمار مقدار میں غلہ گوداموں میں پڑا ہوا ہے۔

زمین میں اللہ کے فضل سے رزق کی بہتات ہے اور یہ جب ہے جب کہ ابھی بھی زمین کا وہ حصہ جو محنت کر کے قابل کاشت بنایا جاسکتا ہے، یا جو قابل کاشت ہونے کے باوجود بیکار پڑا ہے۔ اس حصہ سے چار گنا ہے جس میں کاشت ہو رہی ہے۔

دیکھئے کتے کے یہاں سال میں دو مرتبہ ولادت ہوتی ہے اور ایک مرتبہ میں ۶ سے ۸ تک۔ اس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ اگر اسی اعتبار سے تعداد بڑھتی رہتی تو زمین کب کی بھر چکی ہوتی۔ اس کے بالمقابل بکری کے یہاں سال میں ایک مرتبہ ولادت ہوتی ہے اور صرف دو بچے ہوتے ہیں، پھر بکرا بے تحاشہ ذبح ہوتا ہے۔ مگر تعداد کم نہیں ہوتی! آخر کہاں سے روزانہ اکیلے ہندوستان میں ذبح ہونے کے لئے لاکھوں بکرے آجاتے ہیں؟

پہلے گھوڑے کی سواری ہوتی تھی، اور ہر شریف اور اوسط درجے کے گھر ایک گھوڑا ضرور بندھتا تھا۔ پھر گاڑیوں اور اسکوٹروں نے گھوڑے کی ضرورت ختم کردی، اللہ نے نسل بھی کم کردی۔ نہ اس وقت کمی تھی نہ آج زیادتی۔

غرض اس طرح کی نہ جانے کتنی مثالیں ہم اپنے سامنے کی دنیا سے بیان کرسکتے ہیں۔ کچھ یاد ہوگا کہ اب سے دو دہائی پہلے مرغ کس قدر کم دستیاب تھا۔ ضرورت بڑھی تو اللہ نے مرغ کی ایسی نسلیں پیدا کیں جو سوائے گوشت کے اور کسی مصرف کی نہیں، مشینوں سے جتنا چاہے پیدا کرلیجئے اور ایک ماہ یا دو ماہ میں اتنا بڑا اور پُر گوشت مرغ تیار جو پہلے ڈیڑھ سال میں بھی نہیں ہوتا تھا، یہی حال انڈے اور مچھلی کا ہے، یہ سب کس علیم وقدیر کی خلاقی ورزاقی ہے؟ مگر جن لوگوں نے اس حکیمانہ نظام کا خالق اندھی، بہری فطرت (Nature) کو سمجھ رکھا ہے وہ اس کھلی حقیقت کو دیکھنے سے معذور ہیں۔ اور اسی لئے دنیا کو چلانے کے برتھ کنٹرول قسم کے انتظامات کرنا چاہتے ہیں۔

ایک اور حوالے سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آزادی کے وقت ہندوستان کی آبادی آج سے تقریباً ایک تہائی کے قریب تھی، اب کوئی تین گنی ہوگئی ہے۔ اور یہی نہیں کہ کوئی معاشی تباہی نہیں آئی بلکہ فی کس آمدنی ۴ گنی سے زائد ہوچکی ہے۔

بہرحال یہ تو واضح ہے اور یقینی اور قطعی تجرباتی حقیقت ہے کہ عمومی طور پر عام انسانیت کے لئے اور خصوصی طور پر ملکوں اور قوموں کے لئے آبادی کی کثرت ایک معاشی اثاثہ (Asset) ہے نہ کہ معاشی بوجھ (Liability) ہمارے یہ دانشور نہ جانے کس زمانے میں رہتے ہیں' مغرب میں Colin Clark اور Afk Organski سے لے کر نہ جانے کتنے Demographic Economics کے ماہرین نے یہ بات مان لی ہے کہ (تجربوں کی شہادت اور گہرے تجزیئے کے مطابق) آبادی میں اضافہ معاشی ترقی اور مختلف حوالوں سے مفید ہی ثابت ہوتا ہے۔ ان کے جائزوں اور مطالعوں کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشی طور پر سرگرم کثیر آبادی Economically Active Population (EAP) انسانی معاشیات اور ملکی اقتصادیات کے لئے غیر معمولی طور پر مفید اور Productive ہوتی ہے۔

اب آیئے ایک اور پہلو دیکھتے ہیں' قدیم زمانے میں روزگار کے ذرائع کس قدر محدود تھے' زراعت اور نہایت محدود تجارت' اور صنعتِ نہایت ابتدائی درجہ کی' جو صرف ہاتھ سے ہوتی تھی' شہروں میں مزدوری اور اجرت پر عمل بھی ایک محدود دائرہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ زمین نے کالے سونے یعنی پیٹرول کے خزانے اگلنے شروع کیئے' جس سے نہ جانے کتنی پیداوار بڑھی اور زمین پر اقتصادیات کا کتنا بڑا انقلاب آیا۔ اسی طرح کالدار مشین کی ایجاد نے انسان کو بڑے پیمانوں پر کاروبار اور پیداوار کے وہ ذرائع دیے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھے۔ اب بلا شک روایتی ذرائع آمدنی کے مقابلے میں یہ نئے ذرائع زیادہ لوگوں کو اپنے لئے وسائل زندگی حاصل کرنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔

اعداد و شمار کی زبان میں اس حقیقت کو جاننا چاہیں تو ایک معمولی سی اور چھوٹی سی مثال سے سمجھیں۔ ۲۰۰۴ء میں ہندوستان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا میدان ایک کروڑ لوگوں کو روزگار دے رہا ہے۔ اور اس میں ٹیلی کمیونیکیشن کا شعبہ شامل نہیں ہے۔ جس میں پبلک سیکٹر' پرائیویٹ سیکٹر کی کمپنیوں اور چھوٹی سطح کے ڈسٹری بیوٹرس اور پی سی او مالکان کو ملا کر تقریباً پچاس لاکھ لوگوں کو روزگار مل رہے ہے۔ ۱۹۸۰ء میں ان شعبوں میں آج کے مقابلہ میں ایک فیصد سے بھی کم روزگار تھا یعنی ملک کی آبادی میں اضافے کے ساتھ نئے نئے روزگار کے میدان بھی سامنے آرہے ہیں۔ غرض آبادی میں اضافے سے غربت میں اضافہ وہ فریب ہے جو غافلوں ہی کو دیا جاسکتا ہے' یا پھر پروپیگنڈے کے زور سے ہی منوایا جاسکتا ہے۔

اصلا مسئلہ معاشرتی اور اخلاقی ہے:

اصل میں یہ فلسفہ اور تھیوری مغرب میں بھی اپنے خالص اقتصادی دلائل کی وجہ سے فروغ نہیں پاسکی تھی' بلکہ اس کے تو کچھ اور ہی اسباب تھے۔ پہلے پہل جب مالتھس نے اس کی دعوت دی تو کسی نے اس پر کان نہیں دھرا' لیکن بعد میں یورپ میں جو تہذیبی و معاشرتی انقلاب فرانس کے انقلاب اور صنعت اور مشین کے فروغ کے بعد آیا اس نے پے در پے ایسے اسباب پیدا

کئے کہ ولادت اور بچے مغربی انسان کے لئے ایک مسئلہ بن گئے۔

جدید مغرب کے شہری تمدن میں عیش پسندی اور مادہ پرستی نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی۔ انسان نے سادگی کو خیر باد کہا۔ خواہشات اور تمنائیں بہت بڑھ گئیں' غریبوں نے امیروں کے سے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ مال کی نمائش بڑھ گئی' قناعت حماقت قرار پائی' خود غرضانہ نقطہ نظر اور انفرادی مزاج عام ہوا' ہر شخص اپنی لذت اندوزی اور عیش کوشی کو مقصد حیات سمجھنے لگا۔ آزادی کا مادر پدر آزاد تصور لیلائے خیال بنا' مال کے حصول کی ایک ہوڑ اور نہ بجھنے والی پیاس پیدا کی گئی۔ اور ان امراض کو کنٹرول کرنے والے اخلاق و مذہب کے تو تصور کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ ان حالات میں مغربی انسان کو نظر آیا کہ وہ جو کماتا ہے وہ تو اس کی اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے کافی نہیں ہو رہا' وہ جتنا کماتا ہے اس سب کو لٹا کر بھی اس کو وہ عیش نہیں مل سکتے جو اس کے آئیڈئل سرمایہ داروں کو حاصل ہیں۔ لہٰذا اس کی آمدنی میں سے بچوں کا حصہ کہاں سے نکلے گا۔ پھر بچے ہوں گے تو اس کے اوپر ان کی بھی سماجی ذمہ داریاں ہوں گی۔ پھر اس کے پاس اپنی عیاشی اور رنگ رلیوں کے لئے وقت کہاں سے آئے گا۔

اس معاشرت اور انداز فکر کو (فطری ترتیب کے مطابق) خوشحال لوگ اختیار کرتے گئے' یہاں تک کہ یہ سماج کا عام کلچر اور فکر بن گیا' مادہ پرستی اور عیش کوشی کی اس تہذیب میں عورت کو بھی نئی نئی پیاسیں لگتی رہیں۔ مرد کی آمدنی اس کے لئے ناکافی ثابت ہوئی' خوابوں کے جزیروں تک پرواز کے لئے اس نے بھی ملازمت کی' اقتصادی دوڑ میں وہ بھی شامل ہوئی' اس کو اپنے خاندان کے اقتصادی بوجھ میں بھی حصہ بٹانا تھا اور اپنی ذاتی تمناؤں اور آرزوؤں کے لئے بھی کمانا تھا' اس کے سامنے بھی پڑوسی کی اردو شہر کی بڑی بڑی میم صاحبات اور ان کے عیش و عشرت کے آدرش تھے' اب وہ گھر کا بار کیوں اٹھائے؟ کہاں تک بچوں کے جھمیلوں میں پڑے؟ حمل و ولادت کی تکلیفوں اور رضاعت و پرورش کے مسئلوں اور گھر بار کی ذمہ داریوں کے ساتھ اس کے لئے اس عیش و عشرت اور تفریح کی کہاں سے گنجائش نکل سکے گی جس کی تمناؤں میں وہ صبح و شام کرتی رہی ہے۔ اور جس کے خوابوں میں وہ جوان ہوئی ہے؟

پھر بے حیائی اور بدکاری کے سیلاب نے (معاذ اللہ) عورت کو ہر وقت ایک نئے مرد کے استقبال کے لئے تیار رہنے کا جذبہ دیا' ان آزادیوں میں اولاد بری طرح حائل ہوتی ہے' اب اس سے بچنے کا صور شیطان نے پھونکا' اس طرح ایک تعداد تو مستقل طور پر لاولد ہی رہتی ہے۔ یا کبھی بڑھاپے کی دستک پا کر اس بوجھ کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہے۔

بالآخر اس تمدن نے انسانیت کو سماجی نظام سے محروم کر ہی دیا۔ رفتہ رفتہ اس تہذیب کی راہ میں ''خاندان کی منصوبہ بندی'' ایک منزل نہیں مرحلہ اور سفر کا پڑاؤ ثابت ہوئی' اور اب تو نوبت بایں جا رسید کہ مغرب میں خاندان ہی کا وجود نہیں بچ رہا' منصوبہ بندی کس کی کی جائے؟